بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِشارات

ان اوراق میں کسی موضوع پر بات چھیڑنے سے قبل گزشتہ اشاعت کے ایک بہت بڑے سہو کا اعتراف ضروری ہے۔ الفرقان (لکھنؤ) کی اشاعت دسمبر سے جو مضمون اس میں نقل ہوا تھا اس کے اجزا میں سے درحقیقت میرے پیشِ نظر صرف اسلامی دستور اور اسلامی حکومت کی بحث تھی۔ اور اسی سے کلی اتفاق رکھتے ہوئے حصولِ عبرت کے لئے اہلِ پاکستان کے سامنے رکھا گیا۔ لیکن میں چونکہ بعض ذاتی و نجی اسباب کے تحت پچھلے دنوں بہت پریشان تھا اور کام ایک جگہ مرتکز رہنے کے بجائے مختلف اطراف میں منتشر رہا، نیز سارے مواد کو اچھی طرح دیکھنے اور بطورِ خود کاپیوں کی نظرِ ثانی کرنے اور تمام پروف دیکھنے کا موقع میں نہیں پاسکا اس لئے مذکورہ بالا مضمون کی وہ چند آخری سطریں بھی سہواً شریکِ اشاعت ہوگئیں جن میں ہمارے ملک کی ایک صاحبِ منصب شخصیت کے بارے میں ناموزوں ریمارکس موجود تھے۔ اشاعت کے بعد جب یہ مقام دیکھا تو اپنے مقامِ دعوت کا لحاظ کرتے ہوئے خالص دینی و اخلاقی نقطۂ نظر سے مجھے اس سہو پر بہت افسوس ہوا۔ اب اس کے سوا تلافی کی کوئی اور صورت نہیں ہے کہ متعلقہ شخصیت سے نہ صرف اس کے منصب کی وجہ سے بلکہ رشتۂ اسلام اور رشتۂ انسانیت کا احترام کرتے ہوئے میں انہی اوراق میں معذرت خواہ ہوں (مرتب)

ہمارا وہ جدید ذہن و کردار جسے ایک صدی کی انگریزی تعلیم و تربیت نے زندگی کی کارفرمائی کے لئے تیار کیا تھا۔ قدرتی طور پر قوم کی امیدیں اسی سے وابستہ ہونی چاہئیں تھیں چنانچہ یہی جدید ذہن و کردار تحریکِ پاکستان

کا پیشرو بنا اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے پاکستان کی عظیم الشان سلطنت برعظیم ہند کے مسلمانوں کو عطا ہوئی تو اسی کی قیادت و امامت کی ذمہ داریاں اسی کے کندھوں پر ڈالی گئیں۔ اس زندگی بخش آبیاری کی صلاحیت رکھنے والی اور قدرتی ذرائع و وسائل سے مالا مال مملکت پر جدید ذہن و کردار کو گذشتہ ساڑھے سات برس بلا شرکت غیرے اپنا سکہ چلانے کا موقع ملا۔ عزم و ہمت رکھنے والی کسی با اختیار طاقت کے لئے یہ زمانہ اپنی تعمیری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لحاظ سے کم ہرگز نہیں ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی تھی کہ ہمارے بھلے اور برے اور ہمارے سپید و سیاہ کے کلی اختیارات جس طبقے کے ہاتھ میں تقدیر الٰہی نے سونپ رکھے تھے اس کے ہاتھوں سے نہ قوم کو اپنے نظریات و معتقدات کے مطابق آزادی کا دستور مل سکا، نہ جمہوریت کی قدروں کی آبیاری ہو سکی، نہ شہری حقوق سلامت رہ سکے اور نہ روٹی کا مسئلہ حل ہو سکا۔ اُلٹا اکابر کی آپس کی مفاد پرستانہ کھینچا تانی کے نتیجے میں سیاست کے دائرے میں انتشار، معیشت کے دائرے میں خستہ حالی، نظم و نسق کے دائرے میں خیانت اور بین الاقوامی ماحول میں بے وقری پیدا ہوئی۔ بالآخر گورنر جنرل کے حسب ارشاد دستوری و سیاسی مشینری بالکل ناقابلِ کار ہو کر رہ گئی۔

بہت ساری غلطیوں اور کوتاہیوں کے ان ہولناک نتائج سے ملک کو نجات دلانے کے لئے گورنر جنرل نے ۲۴ اکتوبر ۵۴ء کو انتہائی اور آخری قدم اٹھایا جس کی آئینی حیثیت عدالتوں میں زیر بحث رہی لیکن بات صاف نہ ہو سکی! اس اقدام نے سابق پیچیدگیاں حل کی ہوں یا نہ کی ہوں، آج ہر شخص کا تاثر یہ ہے کہ بہت سی نئی لاینحل پیچیدگیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس کے بعد نئی پیچیدگیوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ۲۷ مارچ ۵۵ء کو سنگین ہنگامی صورت حال کا اعلان ہوتا ہے اور ایک خصوصی فرمان کے ذریعے شخصِ واحد حاکمیت اور دستور سازی و قانون سازی کے جملہ اختیارات ہاتھ میں لے کر ان کو بے محابا آخری قابلِ تصور حد تک عملاً برت ڈالتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دستوری، سیاسی اور قانونی لحاظ سے سارا نظم تہ و بالا ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان اصلاح پسندانہ اور نجات دہندگانہ کارروائیوں کا حاصل یہ ہے کہ یہ ملک بعض پہلوؤں سے ۴۷ء سے قبل کی پوزیشن پر جا چکا ہے اور بعض حیثیات سے یہ چھ آٹھ صدیوں پہلے کے دور میں الٹا جا پڑا ہے۔

یہ جائزہ ہم دل کا بخار نکالنے کے لئے نہیں لے رہے اور نہ اس احوالِ واقعی کے بیان سے اکابر ملک پر اعتراض برائے اعتراض اٹھانا مطلوب ہے۔ ہم سچے جذبۂ خیر خواہی کے ساتھ اپنے ان بھائیوں کو ایک بار پھر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ غلطی کا علاج زیادہ بڑی غلطی سے کرتے چلے جانے کا یہ طریق کار معاملات کو بالآخر ایسے کھڈ میں جا گرائے گا جس سے پھر کوئی اصلاح پسند اور کوئی نجات دہندہ ان کو باہر نہ نکال سکے گا۔ صحیح طریق کار یہ ہوتا ہے کہ غلطی کا ازالہ کسی ایسے اقدام سے کیا جائے جو گاڑی کو غلط راستے سے موڑ کر جلد از جلد دوبارہ صحیح راستے پر ڈال دے!

اب یہ حالت جو سامنے ہے کہ ایک ملک کو مجلس دستور ساز سے محروم کر دیا جائے اور نئی مجلس اس کی جگہ منتخب کرانے کے بجائے دستور سازی کا اختیار ایک یا چند ایسے افراد کے ہاتھ میں دے دیا جائے جو خود سابق مجلس سے میاوہ غیر نمائندہ ہوں، پارلیمنٹ کو برطرف کر دیا جائے اور قانون سازی کا حق بلا شرکتِ غیرے ایک عہدہ دار کے بس میں چلا جائے یا ایک صاحبِ حاکمیت ادارہ کے تعطل کے بعد حاکمیت کو واپس عوام کے سپرد کرنے کے بجائے اوپر ہی اوپر اپنے تصرف میں لے لیا جائے، کسی صاحبِ عقل کی نگاہ میں ایک صحت مندانہ حالت نہیں ہے اور کسی غیر صحت مندانہ حالت کے ذریعے اصلاح پیدا نہیں ہو سکتی۔

انسانیت نے صدہا سال کے تجربہ کے بعد اس حقیقت کو محسوس اور تسلیم کیا ہے کہ اقتدار کا فردِ واحد کے ہاتھ میں ہونا خالی از خطر نہیں ہو سکتا اور یہ کہ اقتدار کا غیر محدود ہونا لازماً مفسدہ انگیز ہوتا ہے۔ کروڑوں انسانوں کی قسمتوں کی باگ ڈور کا کسی ایک ہیئات کے حوالے ہو جانا جبکہ وہ نہ کسی کے مشورہ کی پابند ہو، نہ اس کے راستے میں کوئی مؤثر رکاوٹ حائل ہو سکتی ہو اور نہ اس سے بالاتر کوئی طاقت نگرانی کے لئے موجود ہو، ایک ایسا گرداب ابتلاء ہے جس سے اجتماعی زندگی کبھی بخیریت اپنا سفینہ نہیں نکال سکی۔ چنانچہ ہمارے اس دور کی سیاسی سائنس میں چند اصول پورے عقلی استدلال اور تجرباتی اعتراف کے ساتھ ایک مستقل حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ مثلاً یہ کہ حکمرانی کے اختیارات فردِ واحد کے ہاتھوں میں جانے کے بجائے ہمیشہ عوام نمائندگان کے پاس رہنے چاہئیں، یہ کہ ایوانِ نمائندگان کے چھٹتے ہی نئے انتخابات سے اس کے خلا کو جلد از جلد پُر کر لینا چاہئے، یہ کہ اختیارات کو تقسیم کر کے اور پھیلا کے رکھا جانا چاہئے، یہ کہ اختیارات کے استعمال

کا طریقہ ایسا ہونا چاہئے کہ پورے سیاسی نظام میں مزاحمتیں (CHECKS) اور توازنات (BALANCES) کام کرتے رہتے ہیں تاکہ کوئی ایک اختیار دوسرے اختیار پر چھا جانے کا موقع نہ پائے، یہ کہ ہر بڑے سے بڑا صاحب منصب اسی طرح دستور و قانون کے ایک ایک شوشے کا تابع اور پابند ہو جس طرح ایک معمولی شہری ہوتا ہے، یہ کہ فی الجملہ مشینری اس طرز پر کام کرنے والی ہو کہ رائے عام حکومت پر اثر انداز ہو سکے اور ہر شہری کو قانون کی حدود میں آزادیٔ خیال و عمل پوری طرح حاصل رہے تاکہ وہ سیاست میں اپنا حصہ ادا کر سکے۔ جمہوریت کی یہ ساری قدریں درحقیقت بڑے لمبے تلخ تجربوں کا نچوڑ ہیں۔ یہ قدریں اگرچہ خود بھی تجربے سے گذر کر تکمیلی ارتقاء کر رہی ہیں، لیکن ارتقاء کے معنی یہ ہیں کہ قدم آگے بڑھے، نہ یہ کہ پیچھے پلٹ کر ظل اللٰہیت اور آمریت کے مرتبے پر جا کے دم لیا جائے۔ اس دور کے سیاسی نظاموں کی پیچیدگیوں کا حل بادشاہت، ظل اللٰہیت کی فضا میں فرد واحد کے غیر محدود اختیار کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا بلکہ ناگزیر ہے کہ پوری قوم کے فکر و عمل کو جمہوری اصول پر ساتھ لے کر مشترک سعی و کاوش سے مشکلات کی گرہیں کھولی جائیں۔

جمہوریت کی ساری کی ساری قدروں کو کسی پاک سے پاک نیت اور کسی نفیس سے نفیس پروگرام کے ساتھ بھی ملیامیٹ کیا جائے تو نتیجہ میں جو چیز رونما ہو گی وہ بادشاہت یا آمریت ہی ہو سکتی ہے جمہوریت کبھی نہیں ہو سکتی۔ پھر بادشاہت و آمریت سے نتائج وہی برآمد ہو سکتے ہیں جو اس کی پیدا کردہ ہیئت سیاسیہ سے ہونے چاہئیں، اس درخت سے جمہوریت کے پھل نہیں اتارے جا سکتے۔ ایک یا چند افراد کے غیر محدود اختیار نے دھاندلی، سازش، تشدد اور انتشار کے جو برگ و بار اب تک کی تاریخ میں پیش کئے ہیں، آج بھی اس سے انہی برگ و بار کی امید وابستہ کی جا سکتی ہے۔

یہ گذارشات اگر شرف قبول حاصل کریں تو پھر بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ پھر معاً اصلاح و نجات کا راستہ واضح ہو کر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ وہ سیدھا سیدھا راستہ یہ ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو اس ملک میں جمہوریت کی صحت مندانہ فضا کو بحال کر دیا جائے۔ جمہوریت کی بحالی کا طریقہ بھی بالکل نمایاں ہے، یہ کہ ایک تاریخ معین کر کے عام انتخابات کرائے جائیں اور عوام کو موقع بہم پہنچایا

جائے کہ وہ اپنی پسند کے نمائندوں پر مشتمل مجلسِ دستور ساز اور مجلسِ قانون ساز کی تشکیل کریں اگر ایک یونٹ کے لئے مارا مار کام کر کے بہت جلد ایک نتیجہ پیدا کیا جا سکتا ہے تو یقیناً انتخابات کے لئے بھی ایک تیز رفتار مشینری حرکت میں لائی جا سکتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ انتخابات کرانے اور جمہوریت کو بحال کرنے میں خواہ مخواہ کی تاخیر کی جائے۔

بخلاف اس کے جمہوریت کی بحالی اور انتخابات کے انعقاد میں جتنی زیادہ تعویق پیدا کی جائے گی اور ہنگامی حالات کی دلیل کے بل پر جتنی زیادہ مدت کے لئے غیر معمولی درجے کے اختیارات ہاتھوں میں لے کر استعمال کئے جاتے رہیں گے، چاہے نیتیں کتنی ہی مقدس اور ارادے کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں، عام لوگوں میں یہ غیر فطری حالت شکوک و شبہات پھیلائے گی اور بددلی و بیزاری بڑھتی چلی جائے گی۔ ایک یونٹ کے قیام کا کارنامہ بھی اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا۔ کوئی معقول دلیل اس بات کی نہیں دی جا سکتی کہ کیوں ابھی سے جمہوریت کو قائم نہ کر دیا جائے اور کیوں عوام سے ایک نئی دستوریہ کے لئے نمائندے طلب نہ کئے جائیں۔

اس سلسلۂ کلام میں ہم ایک بار پھر یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اکابر جو کچھ بھی کریں اور سوچیں اس میں دو باتوں کا لحاظ ضرور رکھیں۔ اس میں ملک اور قوم ہی کا نہیں ان کا اپنا بھی بھلا ہے۔

پہلی بات یہ کہ سلطنتِ خداداد پاکستان کسی فرد یا طبقے نے اپنے زورِ بازو سے فتح نہیں کی اور نہ اس کا اقتدار کسی کو خاندانی وراثت کے طور پر ملا ہے۔ بخلاف اس کے یہ ایک قوم کی عوامی جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے اور اس جدوجہد میں اس کے عام باشندوں نے اپنی جانیں، اپنے خون، اپنے مال اور اپنے ناموس قربان کئے ہیں۔ یہ مملکت اپنی اساسِ تعمیر کے لحاظ سے عوامی ہے اور جمہوریت کا مزاج بالکل اس کی فطرت میں پیوست ہے۔ اس کی رگ رگ میں یہ شعورِ عام خون بن کر دوڑ رہا ہے کہ یہ آٹھ کروڑ باشندوں کی تمناؤں کا گھر ہے۔ ایسی مملکت میں کسی کا اپنی بادشاہت کا تخت بچھانے، کسی کا اپنی آمریت کا سکہ چلانے اور کسی کا اسے اپنی جاگیر بنا رکھنے کے درپے ہونا کبھی بھی کوئی نتیجہ خیز نہیں

پیدا کر سکتا۔ قوم چاہے افلاس و ادبار کی چکی میں کتنی ہی پس جائے اور جبر و استبداد کے کولہو میں کیسے ہی اہتمام سے پیل دی جائے، یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنے جمہوری حقوق کے احساس سے خالی ہو جائے۔ پس چاہیئے کہ آپ اس قوم کے گھر کو اسی کا گھر مان کر اسی کے مقاصد و عزائم کے مطابق اس کا انصرام کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان ایک ایسی مسلم قوم کا دیس ہے جس نے اسے کرۂ ارضی کے نقشے پر ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے وجود دلوایا ہی اس لئے ہے کہ وہ اپنے ایمان و نظریات کے مطابق اس کی حدود میں ایک اسلامی تہذیب و معاشرہ کے قیام کا تجربہ کر سکے۔ اس کی دینی فطرت زور کرتی ہے، اس کی حوصلہ مندانہ تاریخ دباؤ ڈالتی ہے اور مغرب کی خلاف اسلام فکر و تہذیب کا ردِ عمل اس سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی اور اپنی نسلوں اور ساری نوعِ انسانی کی بھلائی کے لئے اسلام کے نظامِ امن و عدل کی علمبردار رہے۔ چنانچہ اس کے ارمان اور اس کے حوصلے قرار داد مقاصد کی صورت میں روشنی کا مینار بن کر سامنے آچکے ہیں۔ اب اس قوم کو اس کے عظیم ملی نصب العین سے ہٹانے اور اسے اس کے ایمان و نظریات کے خلاف کسی دوسری جانب اقدام کرنے پر سیاسی ہیرا پھیری سے مجبور کرنے کی جو کوشش بھی کی جائے وہ کبھی اس کا تعاون حاصل نہیں کر سکتی۔ پس گاڑی کو اگر سلامتی سے لے چلنا ہو تو اسے صاف دلی سے اسلام کی پٹڑی پر ڈال دیجئے جو کتاب و سنت کے دو طرفہ نشانات سے متعین ہوتی ہے۔

ملک کے نجات دہندوں اور اصلاح پسندوں کو کوئی کارِ خیر سر انجام دینا ہو تو انہیں ان دو باتوں کا پورا پورا لحاظ کرنا چاہیئے۔

اس نازک موقع پر یہ بات بڑی خوش آئند اور مبارک ہے کہ ملک کی مختلف دینی جماعتوں اور اداروں کی طرف سے اسلام اور جمہوریت کے حق میں ہم آہنگی سے آواز بلند ہو رہی ہے اور ہر طرف یہ احساس کارفرما نظر آتا ہے کہ ملک و قوم کو آمریت اور لادینی رجحانات کے خطرات سے بچا نکالنے

کے لئے کم سے کم دینی عناصر کو اشتراکِ عمل سے کام لینا چاہیئے۔ خدا کرے کہ یہ نیک خواہش عمل میں آنے کے لئے بہترین راستہ پیدا کر سکے۔ اس موقع پر ہم ملک کے سیاسی عناصر خصوصاً لیڈروں، ایم ایل اے حضرات، صحافیوں، وکلا، اور دوسرے ذہین طبقوں سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھی اپنا فرض پہچانیں اور نجی اور کاروباری اور گروہی مفاد کی خدمت سے کچھ وقت نکال کر اجتماعی فلاح و بہبود سے بھی دلچسپی لیں اور کم سے کم اس دورِ ابتلاء میں اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو درکنار رکھ کر پیش آمدہ پیچیدگیوں پر غور و فکر فرمائیں۔ وہ حکام کو بھی جو بہتر سے بہتر مشورہ دے سکتے ہوں دیں اور عوام کو بھی جو رہنمائی بہم پہنچا سکتے ہوں بہم پہنچائیں۔

پیش کر غافل! اگر کوئی عمل دفتر میں ہے

یہ سطور کتابت ہو کر طباعتی مراحل میں داخل ہو چکی تھیں کہ فیڈرل کورٹ کے فل بنچ نے ایک اپیل کے سلسلے میں نہایت وسیع الاثر فیصلہ صادر کرتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ گورنر جنرل کوئی ایسا حکم جاری کرنے یا قدم اٹھانے کے مجاز نہیں ہیں جو دستوری تغیرات پیدا کرنے والا ہو، یہ منصب صرف دستور ساز اسمبلی کا ہے۔ اس فیصلے کی رُو سے نئی دستوریہ کا انتخاب کرانے کے لیے بھی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ موجودہ معطل شدہ دستوریہ کا اجلاس طلب کر کے اس کے ذریعے انتخاب کا فیصلہ کیا جائے اور ضروری مشینری بنائی جائے۔ یہ گویا جمہوریت کی بحالی کا راستہ معین ہو گیا کہ موجودہ حکومت اور ارکان دستوریہ باہمی افہام و تفہیم سے اس فریضہ کو ادا کریں بلکہ وہ اگر چاہیں تو مرتب شدہ مسودۂ دستور کو دوطرفہ رجحانات و ضرور   کا جامع بنا کر دو چار ماہ میں نافذ کر دے سکتے ہیں۔ مزید احتیاط کے لیے یہ بات کافی ہوگی کہ اس مسودے کے ذریعے پہلی منتخب مقننہ کو اس میں مجرد اکثریت کے ذریعے ترمیم کا اختیار دے دیا جائے۔